



اب جبکہ

مفتی منیب الرحمن

اب جب کہ عبدالولی خان یونیورسٹی مردان کے سانحے کی جذباتی کیفیت میں ٹھیراؤ آ گیا ہے، پختونخوا کی پولیس نے تفتیش کا عمل بھی شروع کر دیا ہے، تو اب مناسب ہے کہ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غیر جذباتی انداز میں گفتگو کی جائے۔ اکثر پرائیویٹ چینلز نے تبصرے کے لیے رابطہ کیا، ایک تو میں اس دوران اسفار میں تھا، دوسرا یہ کہ ہمیں پوری بات کرنے کا موقع نہیں ملتا اور سیاق و سباق سے ہٹ کر ہماری بات کا کوئی جملہ اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے یا کسی جملے کو اپنے کڑوے کیلے تبصرے کا ہدف بنا کر چاند ماری شروع کر دی جاتی ہے۔ یہ اعزاز صرف جناب شیخ رشید کو حاصل ہے کہ وہ بعض اوقات تین چار ٹیلی ویژن چینلز کے اینکر پرسنز کو ان دنوں بیٹھ کر انگلی پکڑ کر چلا رہے ہوتے ہیں، نوکری اور ریٹنگ کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو متوازی شریعتیں چل رہی ہیں، ایک شریعت اسلامی اور دوسری لبرل ازم اور تجدد کی خود ساختہ شریعت ہے، جس کو مختلف زبانوں کے کم و بیش سو چینلز کی خدمات رضا کارانہ طور پر دستیاب ہیں، این جی اوز، سوشل میڈیا کی مختلف اصناف اور پرنٹ میڈیا کی خدمات اضافی ہیں۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو بھی وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو لبرل ثابت کرنا ہوتا ہے، جب کہ شریعت اسلامی کے لیے یہ سہولتیں دستیاب نہیں ہیں۔ لبرل عناصر سیاست دانوں کی طرح علماء کو بھی وقتاً فوقتاً آنے سامنے بٹھا کر مناظرے کراتے ہیں تاکہ ناظرین کو شعوری طور پر یہ پیغام دیا جائے کہ مذہب کا کام توڑنا ہے، جوڑنا نہیں ہے۔ یہ مناظرین اپنے اپنے حلقوں میں جا کر داد و تحسین کی سوغات وصول کرتے ہیں، انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ مجالس مناظرہ برپا کرنے والوں کو ان میں سے کسی کے مسلک سے غرض نہیں ہے، ان کا نشانہ مذہب ہے اور نئی نسل کو مذہب سے دور کرنا ہے۔ جو چند مذہبی چینل ہیں، وہ اپنے براڈ کولے کر چل رہے ہوتے ہیں، وہ اچھے بچوں کی طرح پروگراموں کو چلاتے ہیں، کیونکہ نہایت اخلاص کے ساتھ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے دنیا کو فتح کرنا ہے، ملکوں ملکوں جانا ہے، سو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے لیے دروازے بند ہو جائیں۔ اس لیے دین کا پورا موقف اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ عوام کے سامنے آنا مشکل ہے۔

صرف جناب جاوید غامدی کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اپنی پسند کا عنوان چن کر اپنی پسند کے میزبان کے ساتھ پروگرام کریں۔

سوال وجواب بھی اپنی پسند کے ہوں اور ہر مسئلے میں اباحت کی گنجائش بھی نکال دی جائے، تو لبرل طبقے میں پذیرائی ملنا یقینی ہے۔ ان کی فکر کے ایک شارح کہہ چکے ہیں کہ کفر و شرک، نفاق، ضلالت، فسق و فجور اور حق و باطل کے لیے دارالافتاء حشر میں کھلے گایا عدالت لگے گی، اس دنیا میں ان باتوں کی اجازت ریاست کے سوا کسی کو نہیں ہونی چاہیے اور ریاست کو کیا پڑی ہے کہ بھڑوں کے چپتے میں ہاتھ ڈالے، کیونکہ ان کی آرزو عافیت کے ساتھ حکمرانی سے لطف اندوز ہونا ہے۔

سو ہم بھی کہتے ہیں: قانون کسی کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے، انار کی نہیں پھیلنی چاہیے، اسی طرح انسانی میت کی بے حرمتی کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن یہ تخیلاتی معراج وہاں ہو سکتی ہے، جہاں قانون، قانون نافذ کرنے والے ادارے اور عدالتیں مکمل اختیار ہوں، ہر ادارہ کسی جبر و اکراہ اور خوف کے بغیر اپنا کام کر رہا ہو، سب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ سمجھیں اور آئین و قانون کی مکمل بالادستی ہو، لیکن ہمارے ہاں چند مستثنیات کے سوا ایسا نہیں ہے۔ جناب عمران خان چار سال سے پختونخوا پولیس کے قصیدے پڑھ رہے ہیں، ہماری نظر میں ان کے لیے یہ ٹیسٹ کیس ہے، کیونکہ عبدالولی خان یونیورسٹی کے سانچے میں مذہبی جماعتیں اور مذہبی افراد ملوث نہیں ہیں، یونیورسٹی میں لبرل سیکولر جماعت اے این پی کی چھاپ واضح ہے، اسٹوڈنٹس تنظیموں میں بھی ان کی ذیلی تنظیم نمایاں ہے، اس لیے اس واردات کا ملبہ مذہبی عناصر پر براہ راست نہیں ڈالا جاسکا، اس میں پی ٹی آئی اور پی پی پی کے لوگ بھی شامل تھے۔ لہذا اس وقوعے کا ایک واضح پیغام یہ ہے کہ ہمارے وطن عزیز بلکہ پورے خطے کے مسلمان، خواہ وہ عام معنوں میں باعمل مسلمان نہ ہوں، دینی مقدسات کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔

چنانچہ مردان میں کل جماعتی ”دینی محاذ“ تشکیل پا چکا ہے، وہ مردان اور چارسدہ میں بڑے احتجاجی جلوس نکال چکے ہیں۔ سوشل میڈیا پر اللہ تعالیٰ، رسول مکرم ﷺ اور شعائر دین کی توہین اتنی خباثت کے ساتھ کی گئی ہے کہ کوئی مسلمان نہ اس کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اسے نقل کر سکتا ہے، یہ سب کچھ وہاں کے لوگوں کے پاس ریکارڈ اور شہادت کے لیے موجود ہے۔ لہذا اس مقدمے کی تحقیقات جامع انداز میں ہونی ضروری ہے، اس کے لیے ایف آئی اے کے سابر کرائمز سیکل کو بھی تفتیشی ٹیم کا حصہ بنایا جائے اور بین الاقوامی ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں کہ اس سارے مواد کی شروعات کہاں سے ہوئیں، اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ جناب خان سے گزارش ہے کہ ان سب امور کی غیر جانبدارانہ مکمل تحقیقات کرائیں، ورنہ آئندہ الیکشن پر بھی یہ مقدمہ سایہ لگن رہے گا۔ سابق رکن اسمبلی ڈاکٹر عطاء الرحمن نے بتایا کہ مردان میں ایک کذاب مدعی نبوت کو لوگوں نے پولیس کے حوالے کیا، ایس ایس پی کے سامنے بھی اس نے اقرار جرم کیا، لیکن اس کے کیس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ حکمرانوں کو کسی غیر قانونی طریقہ کار کی مذمت کا حق تو حاصل ہے، لیکن عدالتی تحقیق سے پہلے کسی کی براءت کا اعلان درست نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ پختونخوا جناب پرویز خٹک نے ایسا ہی کیا ہے۔

اسی طرح الیکٹرانک میڈیا پر جو لبرل مفتیان کرام اور مصنفین والا شان بیٹھے ہیں، وہ بھی فوری فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ C-295 کا غلط استعمال ہو رہا ہے، وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یونیورسٹی پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگوں کا ادارہ ہوتا ہے، وہاں ماسٹرز سے ڈاکٹریٹ کی سطح تک تعلیم دی جاتی ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کو سوشل میڈیا تک رسائی بھی ہوتی ہے، کیا بقائمی ہوش و حواس یہ مانا جاسکتا ہے کہ اچانک سب پر جنون طاری ہو گیا اور ہوش و خرد کھو بیٹھے۔



مغرب سے متاثر ذہن کی تان تو اس پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ قانون تحفظ ناموس رسالت کو یکسر ختم کر دیا جائے، تو کیا اس کے ذریعے آپ مسلمانوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت، قرآن اور شعائر دین کی حرمت نکال سکیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا، اس کے پیچھے عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر عہد حاضر تک ایک طویل تاریخ ہے۔ اگر محض شور شرابے سے مسائل کا حل ممکن ہو تو ہمارے اینٹ پر سنز اور تجزیہ کاروں سے بڑا انقلابی اس آسان کے نیچے اور کون ہے، کئی ایک ہیں جو ہر روز سرشام ”حق الیقین“ اور ”اعتقاد جازم“ کی حد تک قطعی فیصلے صادر کر رہے ہوتے ہیں، مگر ان فیصلوں کی حیات مستعار چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جنرل (ر) پرویز مشرف چونکہ ہمارے نظام ریاست و حکومت میں ہمہ مقتدر اور عقل کل تھے، ڈرتے درتے بھی کسی سے نہیں تھے، لیکن 2007 کے بعد چشم فلک نے بہت کچھ دیکھا، آخر کار قرآن کا فرمان ہی سچ ثابت ہوتا ہے: ”اس زمین پر جو کوئی بھی ہے (ایک دن) فنا ہونے والا ہے اور (صرف) تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی، (الرحمن: 21-20)۔“

ہم نے ہمیشہ کہا کہ دیگر تمام مقدمات کی طرح C-295 کی ایف آئی آر بھی براہ راست درج کی جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جس شخص پر الزام ہے، وہ پولیس کی تحویل میں چلا جائے گا اور عوام کے قانون کو ہاتھ میں لینے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ لیکن جنرل (ر) پرویز مشرف نے خاص اس دفعہ کی ایف آئی آر کے اندراج کے لیے ضابطہ فوجداری میں یہ ترمیم کی کہ جب تک ایس ایس پی سطح کا پولیس افسر مطمئن نہ ہو، ایف آئی آر درج ہی نہیں ہو سکے گی۔ عقل کا اندھا بھی جانتا ہے کہ ہمارے ملک میں عام آدمی کی رسائی ایس ایچ او تک ممکن نہیں ہے، ایس ایس پی تک کیسے ہوگی۔ سو آپ ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیں، جتنی ایف آئی آر درج ہوئی ہیں، وہ اس وقت ہوئیں جب لوگوں نے پولیس تھانوں پر چڑھائی کر دی یا کسی عدالت سے حکمنامہ لے کر آئے۔

ہم نے یہ بھی تجویز کیا تھا کہ قانون میں ترمیم کر کے اس کا ٹرائل براہ راست فیڈرل شریعت کورٹ میں کیا جائے تاکہ اگر بے قصور ہے تو جلد باعزت بری ہو جائے گا اور قصور وار ہے تو سزا پائے گا۔ ہمارے میڈیا کے لبرل حضرات کا اصل ہدف قانون تحفظ ناموس رسالت کا خاتمہ ہے، لیکن ایسی خواہش پالنا آسان اور پانا مشکل ہے۔ پاکستان میں مسلمان سرعام اللہ تعالیٰ، رسول مکرم ﷺ اور مقدسات دین کی اہانت برداشت نہیں کریں گے۔ پس لازم ہے کہ سوشل میڈیا پر ڈالی جانے والی باتوں کی تَفْطِیر (Filtration) کا کوئی انتظام ہو، مذہب اور اہل مذہب کو ملامت کرنا اس مسئلے کا حل نہیں ہے، ورنہ یہ کار خیر تو ہمارے ہاں صبح و شام ہوتا ہے۔ اس ملک کو کسی غریب یا جاہل نے لوٹ کر کنگال نہیں کیا، اس کو لوٹنے والے وہ ہیں جن کے پاس پہلے سے سونے کی ایک وادی ہوتی ہے اور جو بیرون ملک یا ملک کے اندر رؤساء کے لیے قائم اداروں میں پڑھے ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کے قابل قبول اور دیر پا حل کے لیے میری تجویز ہے کہ پارلیمانی جماعتوں کے سربراہوں کے ساتھ سرکردہ علماء کی تفصیلی میٹنگ ہو، اس میں غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، کیونکہ جب بھی ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ ہمارے مقدسات کی توہین کرنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں: نہیں، اس کا غلط استعمال روکا جائے۔ سو الزام کے صحیح یا غلط ہونے کا معاملہ عدالت ہی طے کر سکتی ہے، اس کے لیے تفتیشی اور عدالتی طریقہ کار کو سہل اور تیز تر بنانے کی ضرورت ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ ہجوم عدالت لگائے، بازاروں اور چوراہوں پر فیصلے ہوں، لیکن یہ بھی تو ماننا پڑے گا کہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب قانونی عمل مفلوج یا بے اثر ہو جاتا ہے۔

(روزنامہ دنیا، 08 مئی 2017ء)